⊙ غزل یعقوب

ٹیچنگ ریسرچ ایسوسی ایٹ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

⊙⊙ ڈاکٹر حمیرا اشفاق

صدر شعبہ اُردو، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

تہذیب النسواں کی منتخب مضمون نگار خواتین کا نسائی شعور

Abstract:

The purpose of launching "Tehzeeb-i-Niswan" was to create awareness, especially among women of Sub continent. Many articles were written in this magazine which tried to create awareness regarding women rights. They were not only made awarded of their rights, but also encouraged to strive for them. The research under review consists of an analysis of the feminine consciousness of Female essay writers.In which the individual feminine consciousness of women writers of civilized women will also be examined.

Keywords:

Feminism, Tehzeeb-i-Niswan, Feminist, Women Rights, Feminine

سماج مختلف النوع اور منفرد الطبع اشخاص سے مل کر بنتا ہے، جن کا انداز فکر ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ حالات و واقعات سے متعلق نظریات کے بارے میں افتراقات و مماثلتیں پائی جاتی ہیں۔ یہ افراد علم و فن، صنفی معیارات، طبقاتی امتیازات، سیاسی معاملات، مروجہ عقائد و افکار اور تعلیمی معاملات کے حوالے سے انفرادی نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ زندگی کے معاملات کو دیکھنے اور ان سے نبٹنے کے لیے ہر شخص نے اپنے خاص پیمانے وضع کر رکھے ہیں اور اس حوالے سے ان کی اپنی ایک رائے موجود ہے۔ جنھیں اس شخص کا انفرادی شعور کہا جا سکتا ہے اور یہی انفرادی شعور جب سماج کے حوالے سے دیکھا جائے تو فرد کا سماجی شعور بن جاتا ہے۔ اسی تناظر میں اگر اس آگہی کو محض خواتین تک مخصوص کیا جائے تو یہ نسائی شعور کہلائے گا۔

مشرق میں عورت کو انسان ہونے کے ناطے اپنے بنیادی حقوق کی جنگ لڑنا پڑ رہی تھی۔ جن میں اسے بحیثیت انسان اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کا حق چاہیے تھا۔ نا صرف یہ بل کہ معاشرے کے نام نہاد اصول ان کی راہ کی

رکاوٹ بنے تھے جس سے ہندوستانی خواتین کو بہت سے مسائل کا سامنا تھا۔اس لیے یہاں کے مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے غور خوض کے بعد سماجی برائیوں کے خاتمے کی کوشش کی گئی جو عورت سے اس کے انسان ہونے کے حق کو بھی چھین رہے تھے۔لیکن یہ اقدامات ہندوستانی عورت کی بہتری کے لیے راہ ہموار کرنے کے لیے کافی نہ تھے۔

ہندوستان میں بچپن ہی میں لڑکی کی نسبت طے کرنے کا رواج عام تھا جب اسے لفظ شادی کی اہمیت کا بھی بہتر طور اندازہ نہیں ہوا کرتا۔شوہر کے انتخاب اور شادی میں اپنی پسند کے علاوہ، تعلیم کا حصول بھی ہندوستانی لڑکیوں کے لیے ایک اہم مسئلہ تھا۔ یہاں لڑکیوں کی رسمی تعلیم کو معیوب سمجھا جاتا تھا، جب کہ ہمارے مذہب اسلام نے صاف لفظوں میں تعلیم کو عورت اور مرد کے لیے لازم قرار دیا ہے۔''علم حاصل کرو چاہے تمھیں چین کیوں نہ جانا پڑے'' میں کہیں عورت اور مرد کی تخصیص نہیں ملتی لیکن مذہب کے اجارہ داروں نے یہ راستہ بھی عالم نسواں کے لیے کٹھن کر دیا اور اسے من گھڑت اصولوں کے مطابق ڈھالنا چاہا۔اسی طرح تعدد ازدواج بھی اس دور کا ایک اہم مسئلہ رہا۔اس حوالے سے بھی قرآنی احکامات کو ان کی اصل کے مطابق سمجھنے کی بجائے صورت حال کے مطابق ڈھال کر پیش کیا جانے لگا۔ یوں کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اسلامی احکامات پر عمل کی بجائے مردانہ سماجی حکمت عملی نے زور پکڑ لیا اور مردانہ معاشرے نے سارے سماج پر اپنے پنجے مضبوطی سے گاڑھ لیے۔ جہاں پدرسری سوچ سماج پر حاوی تھی وہیں کچھ ایسے لوگ بھی تھے تو سماج سے بغاوت کرتے ہوئے طبقہ اناث کی بہتری کے لیے کام کر رہے تھے۔جس میں عیسائی مشنریوں کی خدمات قابل ذکر ہیں۔

انیسویں صدی کے اواخر کے ہندوستان میں مستورات کے حوالے سے کیے جانے والے مشنریوں اور دیگر محسنین کے اقدامات کسی طرح بھی مسلمان ہندوستانی خواتین کے لیے کارگر ثابت نہ ہوئے۔نہ انھیں چار دیواری سے باہر آنے دیا گیا اور نہ ہی کوئی جدید تعلیمی نظام ان کے چار دیورای کی حدود میں پہنچ سکا۔خواتین کو سماجی ڈھانچے کو مدنظر رکھتے ہوئے چادر اور چار دیواری میں مقید رہنا پڑتا تھا بل کہ کوئی ایسی چیز بھی ان کی رسائی سے دور رکھی جاتی تھی جو انھیں معلومات بہم پہنچا سکے۔ نا صرف یہ کہ انھیں معلامات میسر نہ آسکیں بل کہ بعض اوقات تو منفی قسم کی آرا ان کی ذات سے منسوب کر دی جاتی تھی اور ان کی ذات کو ہدف تنقید بنایا جاتا۔ان سماجی رویوں کے عکاسی زاہدہ حنا نے ان الفاظ میں کی ہے:

> ''انیسویں صدی کے نصف آخر میں بھی جب کہ سماج میں عورتوں کا پڑھنا معیوب سمجھا جکا تا تھا اور لکھنا سیکھنے کے بارے میں تو یہ بات ایک عام کہاوت تھی کہ لڑکیاں بلیاں ہماری اگر لکھنا سیکھیں گی تو عشق نامے لکھیں گی، ابا باوا کی ناک کٹائیں گی، آسمان میں تھگلی لگائیں گی.....(۱)

ہندوستان کے قدامت پرست معاشرے میں کچھ ہستیاں ایسی بھی تھیں جنھوں نے خواتین کو بحیثیت انسان اپنی زندگی بہتر بنانے کے لیے مواقع فراہم کرنے کی سعی کی اور وہ کافی حد تک اس میں کامیاب بھی رہے۔مولوی ممتاز علی اور شیخ عبداللہ اس دور میں خواتین کی تعلیم و ترقی کے حوالے سے ایک نمایاں نام رکھتے ہیں انھوں نے ہندوستان کے سماجی ڈھانچے کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسے اقدامات کیے کہ خواتین جدید تعلیمی وسائل سے محروم بھی نہ رہیں اور چادر اور چار دیواری والا مسئلہ بھی حائل نہ ہو۔مستورات کی تعلیم و ترقی اور ان میں شعور و بیداری پیدا کرنے کے لیے اس دور کا سب سے مؤثر ذریعہ ایسے رسائل کا اجرا تھا جو گھر بیٹھے ان کی تربیت کر سکیں اس حوالے سے بہت سے ایسے رسائل جاری کیے گئے جو

خواتین میں شعور و بیداری پیدا کر سکیں اور انھیں اپنی ذات اور حقوق کے حوالے سے شعور و آگہی حاصل ہو سکے۔
اس سے پہلے بھی متعدد اصناف سخن میں ایسے موضوعات پیش کیے گئے جن سے خواتین کی تربیت کی جا سکے لیکن ان کے موضوعات محدود تھے۔ جن میں خواتین کو گھر گرہستی، اولاد اور شوہر سے متعلقہ فرائض کی انجام دہی تک محدود کیا جاتا تھا۔ ان تمام امور کے حوالے سے عورت کے رجحان اور رویہ کو معاشرے کی بنائی ہوئی کسوٹی پر اچھی یا بری عورت کا خطاب عطا کر دیا جاتا تھا۔ ان قصوں کے پیرائے میں خواتین کو اپنی ثقافت و معاشرت اور تعلیم کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب دی گئی ہے تا کہ وہ اسلامی خطوط پر اپنی اولاد کی تربیت کر سکیں (۲)۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی تہذیب نسواں کا اجرا تھا۔ مولوی ممتاز علی نے تحریک تعلیم نسواں کے حوالے سے خصوصی خدمات سر انجام دیں۔ انھوں نے اپنی کتاب حقوق نسواں میں بھی اسلامی تعلیمات کے مطابق خواتین کی تعلیم و ترقی کی راہیں ہموار کرنے کی سعی کی۔ اسی طرح اپنے رسالے تهذیب نسواں میں بھی انہی نکات پر توجہ دی۔

تہذیب نسواں میں ایسے موضوعات کو خاص طور پر پیش کیا گیا جو خواتین میں شعور ذات پیدا کر سکیں۔ اس دنیا میں آنے کا مقصد اور ان سے منسلک ہر رشتے سے متعلقہ معاملات کے حوالے سے ان کی نشو و نما کی جا سکے۔ اس دور میں خواتین اتنا شعور بھی نہیں رکھتی تھیں کہ اپنی ذات کے حوالے سے کوئی فیصلہ لے سکیں، فیصلہ لینا تو درکنار انھیں اپنے ساتھ ہونے والے ناروا رویے اور استحصال تک کا احساس نہیں تھا۔ انھیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ایک انسان ہونے کے ناطے ان کے حقوق کیا ہیں اور وہ کس مقصد کے تحت پیدا کی گئی ہیں۔ تهذیب نسواں کا اجرا اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا گیا کہ خواتین کو گھر بیٹھے معلومات بہم پہنچائی جائیں تا کہ وہ اپنی شخصیت بہتر بنانے کے موقع مل سکیں۔ اسی بابت میں مولوی مولوی ممتاز علی تہذیب نسواں کے اجرا کے مقاصد کو یوں بیان کرتے ہیں:

> ''تہذیب نسواں کے مقاصد کی نسبت کبھی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ یہ اخبار عورتوں کی اصلاح اور عورتوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے نکالا گیا ہے۔ مگر یہ اصلاح اور یہ حفاظت کس طرح کی جائے؟ شریعت کی حدود کے اندر رہ کر اور عرا اپنی شرافت کو قائم رکھ کر۔ یہ نہیں کہ مردوں سے لڑائی کی جائے۔ عورتوں کی اصلاح میں داخل ہے..... خانہ داری کا انتظام، بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت، گھر کی حفظ صحت کا انتظام، گھر کے بزرگوں کے باب میں اپنے فرائض کی انجام دہی۔ ان سب فرائض کا تہذیب نسواں میں ہمیشہ خیال رکھا گیا ہے۔''(۳)

شعور و تعلیم نسواں کے حوالے سے مولوی ممتاز علی کی خدمات اس لیے بھی قابل ذکر ہیں کہ انھوں نے معاشرتی جبر کے خلاف نا صرف آواز اٹھائی بل کہ عملی اقدامات سے تعلیم و ترقی کی راہیں بھی ہموار کیں۔ مولوی ممتاز علی کے ساتھ ساتھ ان کی اہلیہ محمدی بیگم کی خدمات کی قابل قدر ہیں جنھوں نے اس دور کے ہندوستانی معاشرے میں نا صرف ایک زنانہ رسالے کا اجرا کیا بل کہ اس کی ادارت کی ذمہ داری کو قبول کرتے ہوئے بطریق احسن نبھایا۔ اور باوجود اس کے کہ انھیں طنز و ملامت کا سامنا کرنا پڑا انھوں نے اس سے قدم پیچھے نا ہٹایا۔ ڈاکٹر تہمینہ عباس کے مطابق:

> ''شروع میں اس رسالے کو معاشرے کی طرف سے سخت قسم کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ ممتاز علی

نے اس رسالے کی اعزازی کاپیاں مختلف لوگوں کو بھیجی تو وہ اعزازی کاپیاں کھولے بغیر، جوابی خطوط کے ساتھ موصول ہوتیں جن میں ممتاز علی اور ان کی اہلیہ کو ''تہذیب نسواں'' کی اشاعت پر سخت برا بھلا کہا جاتا تھا۔''(۴)

تہذیب نسواں میں خاص طور پر ایسے مضامین پیش کیے گئے جن میں خواتین کی تربیت کی جا سکے انھیں دینی اور دنیاوی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ طرز معاشرے، بچے کی نگہداشت، حقوق زوجین وغیرہ جیسے موضوعات پر مضامین لکھے گئے۔ تہذیب نسواں میں نہ صرف مضامین کے ذریعے مستورات کی تربیت کی گئی بل کہ ان میں یہ لگن بھی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی کہ وہ اپنی دیگر بہنوں کی معاونت بھی کریں۔ تحائف، باہمی مقابلہ جات اور پذیرائی کے ذریعے اس قابل بنانے کی کوشش کی گئی کہ وہ خود سے لکھنے کے قابل جائیں اور ان میں لکھنے پڑھنے کا اشتیاق اور لگن پیدا کی جا سکے۔ اس شعور کو اجاگر کرنے کے لیے مصنفین اور مدیران نے ہر ممکن کوشش کی۔ انھیں صرف اپنی ذات تک محدود نہ رہنے دیا بل کہ ان کی انفرادی صلاحیتوں کو اجتماعی سطح پر بروئے کار لانے کی سعی کی گئی اور انھیں اپنے ذاتی نفع ونقصان کا شعور دلانے کے ساتھ ساتھ اجتماعی سطح پر اچھے اعمال کا درس دیا گیا اور ان کی سماجی سرگرمیوں کی ابتدا کی کوشش کی گئی کیوں کہ فرد تنہا کوئی حیثیت نہیں رکھتا اس کی پہچان اس کے دور سے ہوتی ہے۔

تہذیب نسواں کی منتخب مضمون نگار خواتین کا نسائی شعور:

تہذیب نسواں کے اجرا کا مقصد خاص طور پر طبقہ اناث میں شعور و آگہی پیدا کرنا تھا۔ اس لیے اس رسالے میں ایسے بہت سے مضامین لکھے گئے جنھوں نے خواتین میں شعور و بیداری پیدا کرنے کی کوشش کی اور انھیں ان کے حقوق سے آگاہ کیا گیا۔ نا صرف یہ کہ انھیں ان کے حقوق کے بارے میں آگاہ کیا گیا بل کہ ان حقوق کے حصول کے لیے کوشش اور جدوجہد کی ترغیب بھی دی گئی۔ زیر نظر تحقیق تہذیب نسواں کی مضمون نگار خواتین کے نسائی شعور کے تجزیے پر مشتمل ہے۔ ذیل کی سطور میں تہذیب نسواں کی مضمون نگار خواتین کے انفرادی نسائی شعور کا تذکرہ کیا جائے گا۔

محمدی بیگم:

محمدی بیگم اپنے دور کا ایک باشعور حوالہ ہیں، انھوں نے نوآبادیاتی ہندوستان میں خواتین کے مسائل کو نا صرف سمجھا بل کہ اپنے شوہر کے دوش بدوش انھیں حل کرنے کی سعی بھی کی۔ جس کی ایک مثال تہذیب نسواں میں چھپنے والے مضامین ہیں۔ انھوں نے خواتین کی رسمی تعلیم کی ضرورت کو سمجھا بل کہ عورتوں کے لیے رائج قدیم نظام تعلیم کے حوالے سے بھی آگہی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس نظام کے مطابق عورتوں کو قرآن وسنت اور مذہبی کتب تک محدود رکھا جاتا تھا جس کی اپنی افادیت تو ہے لیکن یہ نظام وقتی تقاضوں پر پورا اترنے کے لیے ناکافی ہے۔ تہذیب نسواں کی مصنفین نے یہ کوشش کی کہ قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ عورت کو اس قابل بھی ہونا چاہیے کہ وہ اپنی ذات سے متعلق معاملات کو حوالے سے باشعور ہو اور اس میں دنیاوی تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت موجود ہو۔ یہی مؤقف محمدی بیگم نے بھی اپنایا اور خواتین کی تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کوششیں کیں۔ انھوں نے اس دور کی خواتین کی فکری آبیاری اور شعور و آگہی کے لیے متعدد مضامین لکھے۔

محمدی بیگم نے اپنی تصانیف کے ذریعے ہندوستانی خواتین میں یہ شعور پیدا کرنے کی کوشش کی کہ روایت کے ساتھ جڑے رہنا کوئی غلط بات نہ ہے لیکن ان روایات کی اس حد تک پاسداری کہ کوئی بھی جدید معلومات یا طریقہ کار کے اذہان کو متاثر نہ کر سکے یہ غلط ہے۔ انسان کو نئی چیزیں سیکھنی چاہییں اور اتنی لچک رکھنی چاہیے کہ نئے خیالات ان کے فکر و ذہن کی آبیاری کر سکیں۔ اس ضمن میں ان کے خیالات کی عکاسی مندرجہ ذیل سطور میں ہوتی ہے:

> ''عرصہ دراز سے ایک ہی معاشرت پر آنکھیں بند کر کے چلنے نے ہماری آزادی اور قوت ایجاد بالکل مفقود کر دی۔ لائق ترمیم رسومات کو اگر مناسب اصلاح کا رنگ و روغن دے کر رائج کر لیا جائے تو کچھ قباحت نہیں۔ اس سے نہ صرف ہماری ذہنی و اخلاقی قوتوں کی ترقی ہوگی بل کہ ہر کام کی اچھائیوں اور برائیوں پر غور کرنے سے ہماری معاشرتی زندگی نشو نما پائے گی۔۔۔۔ آؤ بہنو! ہم بھی رسوم و رواج کے طوق و سلاسل کو توڑ کر ترقی کے میدان میں جست لگائیں۔ جو آپ کے لیے ہر وقت کھلا ہوا ہیا اور اپنے کارہائے نمایاں سے دوسروں پر اس امر کو بخوبی واضح کر دیں کہ ہندوستانی عورتوں پر جو جہالت اور تاریک خیالی کے اتہام لگائے جاتے ہیں وہ محض بے بنیاد ہیں۔''(۵)

محمدی بیگم نے اپنے مضامین میں خواتین کی بنیادی ذمہ داری یعنی کہ تربیت اطفال کے حوالے سے خصوصی مضامین لکھے جن میں تربیت اطفال کے حوالے سے خواتین کی خاص تربیت کی گئی اور ماؤں کو یہ باور کروایا گیا کہ وہ اپنے بچے کی ذہنی اور جسمانی نشو و نما کرتے ہوئے انھیں سماج اور معاشرے کا ایک اہم شخص بنا سکتی ہیں۔ محمدی بیگم نے بچوں کی نفسیات کے مطابق ان کی تربیت کی حمایت کی اور ماؤں کے لیے بچوں کی نفسیات کے مطابق برتاؤ کرن اور اس کے مسائل کا حل تلاش کرنا ضروری قرار دیا۔ اس کی مثال ان کے مضمون ''ذہین بچے'' میں ملتی ہے۔ محمدی بیگم نے مستورات میں یہ شعور پیدا کرنے کی کوشش بھی کی کہ وہ اپنی اور دوسرے دونوں کی عزت نفس کو مجروح نہ ہونے دیں اور نہ کریں۔ ہر انسان کے لیے اس کی عزت نفس کل اثاثہ ہوتا ہے اس لیے ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے، دوسرا یہ کہ کسی بھی کامیابی کے بعد خود کو بہت بہترین سمجھ لینا کسی طور مناسب نہیں اس ضمن میں وہ دنیا کی اہم ترین شخصیات کی مثال دیتے ہوئے باور کرواتی ہیں کہ جو شخص بحیثیت انسان جتنا بلند قامت ہوگا وہ اتنا ہی عاجز اور منکسر المزاج ہوگا اس لیے ضروری ہے کہ ہم تمام تر مراحل کو عجز و انکساری کے ساتھ طے کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔ اس حوالے سے وہ یوں لکھتی ہیں:

> ''سیلف ریسپیکٹ جس پاک جذبے کا نام ہے۔ اس کی میں دل سے قدر دان ہوں۔ اور اس کو روح کی آزادی کا ایک ضروری جزو سمجھتی ہوں۔ اور آزادی کی نسبت ایک دانا شخص کا خیال ہے کہ بغیر کسی کو نقصان پہنچائے آزادی اور اپنی خوشی پر چلنا ہر شخص کا حق اور فرض ہے لیکن غرور سے اس کو کوئی نسبت نہیں۔''(۶)

چار دیواری میں رہتے ہوئے ذریعہ معاش کی تلاش تا کہ خواتین اقتصادی طور پر بھی مضبوط ہو سکیں۔ محمدی بیگم نے ۱۸۹۸ء سے لے کر اپنی وفات ۱۹۰۸ء تک تہذیب نسواں کی ادارت کی۔

و۔ا:

و۔ا نے مغرب و مشرق دونوں معاشروں میں موجود تصورات و نظریات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔انھوں نے ان جدید تقاضوں کو برتنے کی کی حمایت کی جو مشرقی معاشرے میں بگاڑ اور عدم توازن کا باعث نہ بنیں۔انھوں نے جدید ضروریات زندگی کی کو اپنانے کی حمایت میں تو لکھا لیکن ان کی تمام تر توجہ اپنی روایات سے جڑے رہنے پر موقوف رہی۔و۔ا نے خواتین کی ذہنی تربیت کے ساتھ ساتھ گھریلو معاملات سے متعلق مضامین بھی تحریر کیے۔

و۔ا خواتین کی تعلیم کے حق میں تو تھیں لیکن انھوں نے خواتین کی رسمی تعلیم کو سخت ناپسند کیا۔ان کے نظریات بھی دیگر ہندوستانیں سے میل کھاتے تھے جو خواتین کو گھر سے باہر جا کر تعلیم دلوانے کے خلاف تھے۔ان کے نزدیک خواتین کا گھر سنبھالنا، بچے کی پرورش اور معمولی لکھنا پڑھنا کافی تھا اس نظریے کی حمایت میں وہ لکھتی ہیں کہ:

> ''ابھی حال میں ایک تہذیبی بہن سے ملاقات ہوئی ان کی بھی سات برس کی لڑکی کو دیکھا۔ ماشااللہ سب طرح اپنی عمر کلے لائق تعلیم و تربیت پائی ہوئی ہے۔قرآن شریف ختم کر چکی ہے۔ خط لکھتی پڑھتی ہے۔حساب میں بھی کچی نہیں معلوم ہوتی۔فارسی پڑھ لیتی ہے.....گھر داری میں ماں کا ہاتھ بٹانا،سب سے تمیز داری سے پیش آنا،غرض اس کی کسی بات سے یہ ضرورت نہیں محسوس ہوتی تھی کہ اسے اسکول بھیجا جائے۔اگر ہم لوگ چار حرف پڑھ کر اپنی اولاد کو نہ سنبھال سکے اور یہ عذر کر دیا کہ ہمیں فرصت نہیں تو پھر اور کون سا کام کریں گے؟.....''(۷)

ان کی تحریروں کی روشنی میں دیکھا جائے تو و۔اصاحبہ خواتین کے لیے صرف اتنا ہی باشعور ہونا ضروری سمجھتی ہیں کہ عورتوں کو شعور باری تعالیٰ ہو جائے، وہ اپنے فرائض کو اچھی طرح سے سمجھ لیں اور ان سے روگردانی نہ کریں اور اپنی زندگی کو خوش اسلوبی سے اپنے شوہر اور گھر والوں کی مرضی سے گزارنے کے قابل ہو جائیں۔

و۔ا نے اسلامی قوانین کے مطابق طلاق اور خلع کے مسئلے کو بھی بیان کیا ان کے مطابق ملا جو مذہب کے علمبردار بن بیٹھے ہیں انھوں نے عورت سے یہ آزادی چھین لی ہے اور اسلامی قوانین کو بھی مسخ کر کے پیش کیا ہے جس کی وجہ سے مرد کو عورت کا استحصال کرنے کی مزید جرات مل جاتی ہے جب کہ اصل قانونِ اسلامی میں عورت کو اس طرح باندھ کر رکھا جانے کا کہیں نہیں کہا گیا۔اسے بھی زندگی کے معاملات اور شادی کے اور طلاق کے اختیارات سونپے گئے ہیں۔

حجاب اسماعیل:

حجاب اسماعیل کی تحریروں میں اسلام میں عورت کی اہمیت اور اس کے حقوق سے متعلق معلومات ملتی ہیں۔ انھوں نے یہ باور کروانے کی کوشش کی ہے کہ مرد نے ہمیشہ عورت کو ناقص العقل سمجھا اور ہر میدان زندگی میں اسی بنا پر پیچھے دھکیلا کہ وہ عقل اور سمجھ بوجھ نہیں رکھتی۔انھوں نے معاشرتی رویوں اور اسلامی شعار زندگی کا موازنہ کرتے ہوئے نبی پاک ﷺ کے اپنی ازدواج مطہرات کے ساتھ رویے کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے اور اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں یہ باور کروانے کی کوشش کی ہے کہ عورت کو کم از کم مسلمان ہونے کے ناطے وہ بنیادی حقوق لازمی دیے جانے چاہیں جو اسلام نے عورت کے لیے مقرر کیے ہیں۔

حجاب اسماعیل نے ہندوستانی معاشرے میں اس منفی سوچ کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔جس کی بنا پر ہر مسئلے کا دوش عورت کو دیا جاتا ہے۔اس فکر کی مزمت کرتے ہوئے انھوں نے اس بات کی حمایت کی ہے کہ ہر مصیبت اور پریشانی کا دوش عورت کو دینے کی بجائے اسے اپنے جیسا انسان سمجھ کر معاملات کو بہتر بنانے کی کوشش کی جانی چاہیے۔اپنے ایک مضمون میں اس نظریے کی حمایت ان الفاظ میں کرتی ہیں:

> ''اگر خالق نے عورت کو مرد کا یا صرف مرد کو عورت کا لباس قرار دیا ہوتا تو اس تمثیل اور اس تعلق میں مساوات نہ ہوتی۔ادنیٰ۔اعلیٰ۔کمتر اور برتر۔بدتر اور بہتر کی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتیں۔مگر قرآن مجید کے اس کھلم کھلا مساوات کی ہدایت کے باوجود تم نے اپنے آپ کو عورت کا حاکم سمجھ لیا۔اور مجھ پر خود ساختہ مفت کی قید کی مصیبتیں عائد کیں۔اینٹ اور چونے کی کمزور دیواروں کو میری عصمت اور پاکدامنی کا محافظ قرار دیا.....''(۸)

ہندوستانی سماج میں خواتین کی تعلیم ترقی کے حوالے بات کرتے ہوئے انھوں نے اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے کہ یہاں کی عورت کی راہ میں حائل دیگر رکاوٹوں میں سے ایک رکاوٹ یہاں کا نظام پردہ ہے۔کیونکہ یہاں پردہ چادر اور چار دیواری کا مترادف تھا۔ یہاں عورت کو تمام علوم فنون سے دور گھر میں مقید رکھنا ہی پردہ تصور کیا جاتا تھا۔حجاب اسماعیل نے اس نظامِ پردہ جس میں زمانے کی ہوا سے محفوظ رکھنا ہی پردہ تھا، کی سخت مذمت کی ہے۔ان کے خیال میں عورت کو یہ اختیار حاصل ہونا چاہیے کہ وہ اپنی زندگی اسلامی اصولوں کے مطابق بسر کرنے کے قابل ہو،جس میں اسلامی اصولوں سے انحراف بھی نہ کرے اور نہ ہی گھر میں قید کی جائے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ انھوں نے عورت پر اپنی رائے تھوپنے کی سخت مخالفت کی ہے۔انھوں نے سماجی سطح پر عورت اور مرد کے مساوی حقوق وفرائض کی حمایت کی ہے۔ان کے خیال میں محض جسمانی ساخت اور صنفی حیثیت کی بنیاد پر ہم عورت کو مرد سے کم تر نہیں کہہ سکتے۔

حجاب اسماعیل کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے ایک اصول اور لائحہ عمل ہونا ضروری ہے۔کیونکہ اس کے بغیر زندگی کا بسر ان محض دن پورے کرنے کے متبادل ہے۔اگر انسان نے اپنے فہم شعور سے زندگی میں کچھ ایسا نہیں کیا جو اس کی اپنی بھلائی کی غرض سے ہو تو تمام عمر ضائع کی۔منہ سکڑے مرد اور عورتیں میں وہ گھریلو زندگی اور خوشگوار تعلقات کی بابت یہ بتانے کی کوشش کر رہی ہیں کہ محض وعورتوں سے یہ توقع رکھنا کہ جب مرد گھر آئے تو عورت ہنستی مسکراتی ملے سراسر غلط ہے۔گھر کی بنیاد دونوں افراد کے باہمی تعلق اور التفات کی وجہ سے مضبوط ہوتی ہے تو محض عورت کے کندھوں پر گھریلو سکون کیا بوجھ لادنا کسی طور درست نہیں ہے مرد اور عورتوں، دونوں کو گھریلو زندگی کو بہتر بنانے کی خاطر کوشش کرنی چاہیے۔

خدیجۃ الکبریٰ:

خدیجۃ الکبریٰ نے تعلیم نسواں کی حمایت میں متعدد مضامین لکھے اور انھوں نے اپنی تحریر کے ذریعے اس طبقہ نسواں کو باشعور بنانے کی کوشش کی جو جدید طرز تعلیم کی محض اس لیے مخالفت کیا کرتی تھی کہ جدید تعلیم انھیں باغی کر دے گی اور وہ اپنی روایات کو بھول جائیں گی۔انھوں نے جدید طریقہ تدریس کی حمایت کرتے ہوئے فرسودہ رسوم ورواج اور سماجی برائیوں کو بھی ہدف تنقید بنایا ہے انھوں نے قدامت پسند اور متعصب خواتین کو اس بات کا یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ

جدید تعلیم عورت کو مرد سے ممتاز کرنے کے لیے لازمی نہیں ہے بل کہ یہ اسے باشعور بنانے کے لیے ضروری ہے تا کہ وہ اپنی ذات کو پہچان سکے اور اس سے متعلق معاملات میں اپنی سوچ بچار سے معاملات کے حل کے لیے کوشش کر سکے۔

> .....میں نے بھی زنانہ اسکول میں تعلیم پائی ہے۔کہ اگر میں اپنے شوہر کی لونڈیوں کی طرح اطاعت کرتی ہوں۔یا اور بیبیاں جو اسکول کی تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود شوہر کی فرمانبرداری کرتی ہوں تو کیا ان کی مثال اتنی حقیر و ناچیز و کالعدم ہے.....
>
> .....اس کو بھی جانے دو زبان سے نہ سہی۔مگر ایمان سے کوئی بتلائے۔کہ کیا پرانے زمانے کی فرشتہ صفت عورتیں اپنی لڑکیوں کی خاطر دامادوں کو غلام بنانے کی نیت سے تعویذ گنڈے نہیں کیا کرتی تھیں.....**(۹)**

خدیجۃ الکبریٰ نے اپنی تحریروں میں خواتین کو فرسودہ رسوم و عقائد سے دور رہنے کی ترغیب دی۔ان کے مطابق محض جدید تعلیمی تقاضوں سے متعلق تعاصب پالے رکھنے سے معاشے مزید پستی کی طرف گامزن ہوگا۔اس لیے انسان کو چاہیم وہ اعلیٰ اخلاقی اقدار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنے فرائض کی انجام دہی کریں تو معاشرے میں کبھی بھی بگاڑ پیدا نہیں ہوسکتا۔علاوہ ازیں انھوں نے ہندوستان میں رائج پردے کے نظام کو ہدف تنقید بناتے ہوئے یہ باور کروانے کی کوشش کی کہ مذہبی حوالے سے رائج پردہ اور ہندوستانی نظام میں رائج پردے کا تصور یکسر مختلف ہے۔مذہبی حوالے سے کی جانے والی پردے کی تاکید عورت کو محدود نہیں کرتی کہ وہ چار دیواری میں قید ہو جائے جب کہ ہندوستانی معاشرے میں اسی قید کو پردے کا نام دیا گیا ہے۔عورت کو چار دیواری تک محدود کر کے تمام علوم و فنون سے دور رکھنا کسی طور مناسب نہیں ہے۔اس سے عمل سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستانی مردوں نے یہ پردہ خواتین کے لیے محض اس لیے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ ان کے پنجہ استبداد سے چھٹکارا نہ پاسکیں۔

انھوں نے ہندوستان میں پردے کی صورتحال اور اسلام میں پردے کی تلقین کا موازنہ کرتے ہوئے یہ باور کروانے کی کوشش کی کہ ہندوستانی معاشرے میں پردہ محض خواتین کو محدود و محکوم کرنے کے لیے کروایا جاتا ہے۔یہاں پردہ اسلامی شعار کی حیثیت سے رائج نہیں ہے۔اس کی مثالیں ان کے مضامین ''ہندوستانی پردہ''،''اصلاح معاشرت''، ''قرآن شریف سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت''،''ہندوستان کا مروجہ پردہ'' وغیرہ میں ملتی ہیں۔

ظفر جہاں:

ظفر جہاں ہندوستانی معاشرے میں مرد اور عورت کے لیے وضع کردہ اصول و ضوابط کو احاطہ تحریر میں لائیں۔اس دور کے ہندوستانی معاشرے کے رسوم و رواج کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے غیر مساوی سماجی تقسیم کو ہدف تنقید بنایا۔ان کے مطابق عورت اور مرد سماجی میں یکساں حقوق رکھتے ہیں اور محض ایک عورت کو اس کے عورت ہونے کی وجہ سے روایات کے بوجھ تلے نہیں دبانا چاہیے۔بحیثیت انسان اسے اپنی زندگی کے فیصلے خود لینے کا اختیار ہونا چاہیے۔انھوں نے اس حوالے سے اپنے نظریات ایک مضمون میں یوں پیش کیے ہیں:

> ''اگر بیوی کے لیے ماں اور چھوٹے بہن بھائیوں کا تنہا چھوڑ دینا سنگدلی اور ظلم ہے،تو بیوی بھی تو

آخر ماں اور بہن بھائی رکھتی ہے۔اس کا بھی شوہر کی خاطر ان کو چھوڑ دینا سنگدلی اور ظلم ہے۔لیکن دنیا اس کو روا رکھتی ہے۔اور نہ صرف یہی کہ لڑکی کو شوہر کی خاطر اپنے عزیزوں سے جدا ہونا پڑتا ہے۔ بلکہ یہ اس پر سے اور طرہ ہے کہ والدین کی آغوش شفقت کی جگہ اس کو سسرال والوں کی بے جا ناز برداری کرنی پڑتی ہے۔ جہاں ہر وقت اس کے اعمال و افعال کی ایسی سخت نگرانی رکھی جاتی ہے جو شاید منکر نکیر کی نگرانی سے بھی سبقت لے جاتی ہے.....(۱۰)

اس دور کے ہندوستانی معاشرے میں عورت کو ان بنیادی حقوق سے محروم رکھا جاتا تھا جو اسے اسلام میں اسے ودیعت کیے گئے ہیں، بل کہ ان کے کانوں سے ایسی باتوں کا گزرنا بھی معیوب سمجھا جاتا تھا جس میں انھیں اپنی ذات سے منسلک کسی اہم مسئلے پر آگہی ملتی ہو یا جو ان کے حقوق کے حوالے سے معلومات پہنچاتی ہو۔اس لیے تہذیب نسواں کی مضمون نگار خواتین نے خاص طور پر ایسے مضمون قلم بند کیے جن سے خواتین کو آگہی دی جا سکے کہ ان کے کون کون سے جائز حقوق ہیں تا کہ وہ بھی اپنی زندگی بہتر طریقے سے بسر کر سکیں۔

اسی طرح اسلامی قوانین کو مدنظر رکھتے ہوئے انھوں نے خواتین کے جائداد میں حق کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔انھوں نے وراثت اور ترکے کے حوالے سے بھی معلومات افزا مضامین درج کیے۔

ظفر جہاں نے ملکی ترقی کے لیے تعلیم نسواں کی حمایت کی اور خواتین میں یہ شعور پیدا کرنے کی کوشش کی کہ جب تک خواتین خود نہ کوشش کریں ان کی حالت کبھی نہیں سنبھل سکتی اس لیے ضروری ہے کہ عورتیں ذاتی اور قومی ترقی کے لیے کمر بستہ ہوں۔اپنے ایک مضمون ''قومی ضروریات کا احساس'' میں ان نظریات کی عکاسی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

''.....جب تک ہمیں قومی ضروریات کا احساس نہ ہو۔اور ہم اس کے لیے ہر ممکن کوشش عمل میں لانے کو تیار نہ ہو جائیں۔ہمیں اپنی پستی کا رونا رونا بالکل فضول ہے۔جس وقت تک ہم خود کچھ کرنے کو تیار نہ ہوں گے۔ ہماری قوم کبھی ابھر نہیں سکتی۔''(۱۱)

ان کے مضامین ''مسلمان اور ان کی جائدادیں''، ''لڑکیوں کے حقوق والدین پر'' میں بھی ان مسائل کی عکاسی ملتی ہے۔انھوں نے زیادہ تر اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کو اہمیت دی، اور اسلام میں مرد و عورت کو دیے گئے یکساں حقوق کے حوالے سے اپنے نظریات پیش کیے۔

اہلیہ محمد علی خاں منصوری:

نو آبادیاتی ہندوستان میں خواتین کی جدید تعلیمی ترقی سے پہلے عورت کی ذات سے گھر گرہستی، اولاد اور شوہر کے حقوق منسوب کیے جاتے تھے۔بعض اوقات ان پر اس قدر سختی سے عمل درآمد کیا جاتا تھا کہ عورت کی ذات مجروح ہو کر رہ جاتی تھی اور ردعمل کے طور پر مزاج میں اکھڑا پن اور بد دلی آ جاتی۔اس مسئلے کے حل کے لیے تہذیب نسواں کی مضمون نگار خواتین نے عملی خدمات سرانجام دیں۔انھوں نے عورت کی تربیت ان خطوط پر کرنے کی کوشش کہ ان کا شخصی وقار بی مجروح نہ ہونے پائے اور گرہستی کا نظام بھی متاثر نہ ہو۔اہلیہ محمد علی خاں نے بھی اسی طرز پر اپنے افکار کی ترسیل اپنے ایک مضمون ''مرد کی عزت عورت کے ہاتھ ہے'' میں کی۔اس مضمون میں انھوں نے مرد و عورت دونوں کو برابر قرار دیتے ہوئے

یہ باور کروایا کہ ملک وقوم اور سماج کی ترقی میں ان دونوں صنفوں کی ایک برابر اہمیت ہے جس طرح کسی گاڑی کو چلانے کے لیے تمام پہیے ایک سی اہمیت رکھتے ہیں اسی طرح مرد اور عورت کے باہمی تعاون کے بنا سماج کی گاڑی بھی درست سمت نہیں جا سکتی۔ اس لیے دونوں کو چاہیے کہ وہ اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی اچھے طریقے کرتے ہوئے اپنا کردار نبھائیں۔ مرد عورت دونوں کو ایک دوسرے کا خیال کرتے ہوئے حسن اخلاق سے اپنے فرائض سرانجام دینے چاہیں۔

اہلیہ سید احمد سبزواری:

اہلیہ سید احمد سبزواری نے خواتین کی شخصیت اور حالت کو بہتر بنانے کے لیے مضامین تحریر کیے ان کی مخاطب زیادہ تر دیہی خواتین تھی اپنے مضامین میں انھوں نے دیہی خواتین کے معاملات اور حالات کو موضوع بنایا اور یہ باور کروانے کی کوشش کی کہ عورت گھر گرہستی کے چکر میں الجھ کر اپنی ذات سے بالکل بے خبر ہو جاتی ہے۔ جس سے اس کے معاملاتِ زندگی متاثر ہوتے ہیں۔ انھوں نے گھر گرہستی کے معاملات کی انجام دہی کی تاکید تو کی لیکن اس چکر میں خود اپنی ذات تک سے بے خبر ہو جانے کی شدید مذمت کی۔ اس کی مثال ذیل کی سطور میں ملتی ہے:

> ''کاش یہ قابل قدر عورتیں زیور علم سے آراستہ ہوتیں۔ پھر کیا تھا۔ مگر نیم تعلیم یافتہ ہونے سے تو نہ ہونا اچھا ہے۔ انہیں اپنے فرائض کا تو احساس ہے۔ ان کی اس حالت کا نہ کوئی مذاق اڑانے والا ہیا ور نہ کوئی انگشت نمائی کرنے والا۔''(۱۲)

اہلیہ سید احمد سبزواری کے ہاں زیادہ تر مضامین سماجی اصلاح کے حوالے سے لکھے ملتے ہیں۔ انھوں نے سوشلائزیشن کی طرف زیادہ توجہ صرف کی۔ انھوں نے عورتوں کو سماجی اعتبار سے مضبوط بنانے کی کوشش کی ہے اور فرسودہ خیالات کو ترک کرتے ہوئے سماجی ہم آہنگی کا درس دیا ہے جس میں صاف گوئی کو اہمیت دی گئی ہے۔

امۃ الحمید خانم:

امۃ الحمید خانم نے اپنی توجہ محض تعلیم اور اصلاحِ نسواں تک محدود نہ رکھی بل کہ عورت اور مرد کو سماج کا برابر فرد سمجھتے ہوئے اس امر کی طرف خصوصی توجہ دلائی کہ مرد وزن دونوں کو سماجی، قومی اور ملی اصلاح وترقی کے لیے اپنا فرض نبھانا چاہیے۔ قومی وملی ترقی کے لیے انھوں نے مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کے دوش بدوش مل کر کام کرنے کی تلقین کی۔ اس نظریے کی عکاسی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

> ''مسلمان قوم بحیثیت مجموعی اس وقت نہایت سخت دور سے گزر رہی ہے اس کا نصف طبقہ یعنی عورتیں اگر اب بھی بے پروا اور بے خبر رہیں۔ تو یہ انتہائی افسوس کا مقام ہوگا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم بیدار ہوں اور خدمت اسلام میں ہر ممکن طریقے سے مردوں کا ہاتھ بٹائیں۔''(۱۳)

ان کے مطابق اگر ہم صنفی تضادات وتفرقات میں الجھے رہے تو کسی ایک صنف کو امتیاز تو حاصل ہو ہی جائے گا لیکن اصل مقصد (قومی وملی اصلاح) کہیں پیچھے رہ جائے گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ ان تفرقات سے ممتاز ہو کر اپنی صلاحیتوں کا مثبت استعمال کرتے ہوئے ملک وقوم کی ترقی کے لیے کمر بستہ ہوا جائے۔

صاحبزادی م۔ج:

صاحبزادی م۔ج نے خواتین کی تعلیم کے حق میں مضامین لکھے انھوں نے تعلیم نسواں کی اہمیت اور ضرورت کو واضح کرتے ہوئے جدید اور قدیم زمانے کی خواتین کا موازنہ بھی پیش کیا ہے کہ کس طرح تعلیم علم وفہم میں اضافے کے ساتھ انسان کی شخصیت میں نکھار پیدا کرتی ہے۔انھوں نے جدید تعلیم کے حصول کے بعد خواتین کے اس خاص ردعمل پر تنقید بھی کی ہے جو ان میں منفی رویوں اور سوچ کو پروان چڑھا رہی ہے۔جس سے وہ گھر گرہستی اور دیگر امور خانہ داری کی انجام دہی سے کترانا شروع ہوگئی ہیں۔انھوں نے تعلیم کے مقاصد واضع کرتے ہوئے یہ باور کروانے کی کوشش کی ہے کہ تعلیم کے حصول کا مقصد امور خانہ داری یا دیگر امور سے فرار ہرگز نہیں ہے بل کہ تعلیم تو انھیں سماج کا ایک کارآمد فرد بنانے میں معاونت کرتی ہے جس سے ان کی اخلاقی تربیت اور شخصیت میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔اس کی مثال درج ذیل سطور میں ملتی ہے:

> ''.....آج اسے انجام دینے سے ایک سند یافتہ خاتون گھبرائے گی۔اور اسے اپنی توہین سمجھے گی۔تعلیم یافتہ عورتوں کا خیال یہ ہے کہ ہم چولھے چکی جیسے ذلیل کام میں اپنا وقت کیوں ضائع کریں۔والدین کی بے جا قید و بند میں کیوں رہیں۔شوہر کی غلامی میں زندگی کیوں بسر کریں۔ اس سے میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ نئی تعلیم سے تسلیم ورضا کی عادت جسے عورت کا جوہر سمجھا جاتا تھا فنا ہو جاتی ہے.....''(۱۴)

صاحبزادی م۔ج خواتین کو یہ باور کروانے کی کوشش بھی کر رہی ہیں کہ ان کے اس ردِعمل سے مخالفین تعلیم نسواں کے خدشات درست ثابت ہو جائیں گے اور آئندہ آنے والی مستورات کے لیے یہ در ہمیشہ کے لیے بند بھی ہو سکتا ہے۔اس لیے محض خود کو تعلیم یافتہ سمجھنے کی وجہ گھر گرہستی اور دیگر ذمہ داریوں سے ہاتھ اٹھانا تعلیم نسواں کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دینے کے مترادف ہے۔

جمیلہ بیگم:

جمیلہ بیگم اس دور کا ایک باشعور حوالہ ہیں انھوں نے خواتین اور ان کے حقوق کو اسلامی تناظر میں پرکھا اور اسی بنیاد پر اپنے نظریات کی ترسیل کی۔انھوں نے لڑکا لڑکی، مرد وزن کی تفریق کو سراسر غیر ضروری سمجھا اور اس دور کے سماجی ڈھانچے اور فرسودہ افکار پر کڑی تنقید بھی کی۔جمیلہ بیگم نے خواتین کی ناقدری اور ان کے حقوق کے استحصال کو سخت ناپسند کیا وہ اسلامی نظریہ حیات کے مطابق اس کی تفہیم ان الفاظ میں کرتی ہیں:

> ''ہندوستان میں عورت کی جس قدر ناقدری۔حقوق تلفی اور بے حرمتی ہوتی ہے۔شاید ہی اور کسی متمدن یا اسلامی ممالک میں ہوتی ہوگی۔کہنے کو اسلام نے دختر کشی کی لعنت کو دور کر دیا ہے۔مگر اس کا اثر بلا واسطہ طور پر طبائع پر اسی طرح حاوی ہے.....''(۱۵)

انھوں نے سماجی حوالے سے مردوں اور عورتوں کے لیے مختص کیے گئے کرداروں کو خاص طور پر تنقید کا نشانہ بنایا ہے ان کے مطابق عورت ذات سے بعض اوقات ایسی باتیں منسوب کر دی جاتی ہیں جو کہ مرد بھی کرتے ہیں لیکن سماج میں

رواج محض عورت کی کمتری کو ملتا ہے اس لیے اسے جوں کا توں قبول بھی کر لیا جاتا ہے۔ اپنے مضمون ''خاموشی'' میں اس کا اظہار کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ:

> ''اگر چہ عورتیں مردوں سے زیادہ گفتگو کبھی نہیں کرتیں۔ پھر بھی انہی پر فضول گوئی کا اتہام لگا کر انھیں خفیف کیا جاتا ہے۔''(۱۶)

ہندوستانی معاشرے میں بیوہ کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک کو مدنظر رکھتے ہوئے انھوں نے بیوہ کے حقوق کے حوالے سے بھی متعدد مضامین تحریر کیے۔ انھوں نے اسلامی طرز زندگی میں عورت خاص طور پر بیوہ کے حقوق کو واضح کرتے ہوئے سماجی ڈھانچے پر تنقید کی ہے کہ مشترکہ تہذیب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں نے بھی وہ طور اپنا لیے ہیں جو ہندوؤں نے بیوہ کے لیے مختص کر رکھے ہیں اسی وجہ سے عورت کو جیتے جی جینے کا حق چھین لیا گیا اور تا عمر ایک ایسی دلدل میں دھکیل دیا گیا جہاں سے زمانے کی ہوا اور خوشی کا کوئی رنگ اسے چھو کر نہ گزر سکے۔

شاہزاد جہاں بیگم:

شاہزاد جہاں بیگم نے تعلیم نسواں کی بھرپور حمایت کی اور ان قدیم روایت پسند اذہان پر تنقید کی جو عورت کو محض گھر گرہستی اور چولہے تک محدود رکھنا چاہتے تھے۔ انھوں نے خواتین میں یہ شعور بیدار کرنے کی سعی کی کہ عورت کو چار دیواری میں قید نہیں رکھا جا سکتا۔ اس کی مثال ان کے مضمون ''سرپرستوں کو کیا چاہیے'' میں ملتی ہے۔

مسائل نسواں کے حوالے سے بات کرتے ہوئے انھوں نے اس مسئلے پر بھی قلم اٹھایا کہ ہندوستانی سماج میں عورت کو اس کے ان حقوق سے بھی محروم رکھا جاتا ہے جو اسے مسلمان ہونے کے ناطے خدا کی طرف سے دیے گئے ہیں۔ جس میں اہم ترین مسئلہ ناچاقی اور ذہنی ہم آہنگی نا ہونے کے باوجود مرد کا عورت کو طلاق نہ دینا تھا۔ ہمارے معاشرے میں خلع کو عورت کے لیے ویسے ہی برا سمجھا جاتا ہے اور نکاح کے وقت ہی اس سے یہ حق چھین لیا جاتا تھا یوں ناچاہتے ہوئے بھی عورت مرد کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور تھی۔

شاہزاد جہاں بیگم نے مرد کے عورت کو طلاق نہ دینے کی وجوہات پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے جس میں ایک بڑا مسئلہ ادائیگیِ مہر قرار دیا ہے۔ مرد محض حق مہر ادا نہ کرنے کی وجہ سے تمام عمر عورت کو بے نام رشتے میں باندھے رکھتا ہے۔ اپنے مضمون ''طلاق نہ دینا'' میں انھوں نے اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور دلائل کے ساتھ معاملات کا بیان کیا ہے۔ انھوں نے سماجی پابندیوں کی بجائے شرع کی پابندی کو لازم قرار دیا ہے اور تاکید کی ہے کہ محض زمانے کے ڈر سے حکم خداوندی کی حکم عدولی نہ کریں۔

جہاں حبیبہ بیگم:

انھوں نے ہندوستانی روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے مفاہمتی انداز اپنایا اور خواتین کو یہ تاکید بھی کی کہ اپنی روایات سے جڑے رہنے میں ہی عافیت ہے ہم کسی طور ان سے منحرف نہیں ہو سکتے۔ ان سے انحراف سے مراد کھلم کھلا اس مسئلے کو دعوت دینا ہے کہ آئندہ آنے والی مستورات کے لیے تعلیم و ترقی کی راہیں بند کروا دی جائیں کیونکہ کٹر روایت پسند پدرسری معاشرہ جب پہلے ہی تعلیم نسواں کی مخالفت میں ہے تو ہماری بغاوت ان کے یقین کو اور پختہ کر دے گی۔ اس لیے

مخالفت کی بجائے مفاہمت اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے۔اپنے مضمون ''کھلا سر'' میں وہ مستورات کو پردے کی اہمیت کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے اور حالات سے مفاہمت اختیار کرنے کا درس دیتے ہوئی یوں لکھتی ہیں:

''.....اصل یہ ہے کہ ہم میں آج کل خود آرائی اور شیخی حد سے زیادہ تجاوز کر گئی ہے.....کسی کے رو در رو تو کوئی کسی کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔مگر بعد کو طرح طرح کی پھبتیاں اڑتی ہیں۔اور کہا جاتا ہے کہ یہ سب تعلیم کا سبب ہے۔جو بی صاحبہ اتنی شوخ ہوگئی ہیں۔میری وہ بہنیں جن میں یہ عادت ہوگئی ہے۔مجھے معاف کر کے اس عیب کو دور کرنے کی کوشش فرمائیں۔تا کہ لوگوں کو تعلیم یافتہ لڑکیوں پر طعنہ زنی کا موقع نہ ملے۔اور چند لڑکیوں کی غلطی سے سراسر تعلیم نسواں بدنام نہ ہو.....''(۱۷)

آصفہ خاتون:

آصفہ خاتون نے اپنے مضامین میں پدرسری معاشرے کے خلاف ایک نحیف سی آواز اٹھانے کی سعی کی۔ انھوں نے خواتین کو ان کے حقوق کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کی ترغیب دی اور یہ احساس دلانے کی کوشش کی کہ جب انسان کا بنیادی حق ہے کہ اسے آزادی سے زندگی بسر کرنے دی جائے تو عورت سے ہمیشہ یہ حق کیوں چھین لیا جاتا ہے؟ خاص طور پر تعلیم کا حق جو عورت میں اتنا شعور پیدا کر دیتی ہے کہ اسے اپنی ذات کا شعور ہو سکے،اس پر کیے جانے والے جبر و زیادتیوں سے آگہی مل سکے تو کیوں معاشرہ اسے تعلیم کے حصول سے روکنے کے لیے طرح طرح کے ہر ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے؟ اپنے ایک مضمون ''تعلیم کیوں چھوڑیں'' میں انھوں نے اس کا برملا اظہار کیا ہے:

''.....عدم تعان کے سلسلے میں تعلیم نہیں چھوڑنی چاہیے۔سچ پوچھو۔تو اتنی عقل ہم میں تعلیم سے ہی آئی ہے۔کہ ہمیں اپنی قید کا احساس ہوا۔اگر تعلیم نہ ہوتی تو وہی حالت رہتی۔اور غلامی کی زنجیریں پڑی رہتیں.....''(۱۸)

صدیقہ خاتون:

گھریلو تشدد اور اس سے متعلقہ معاملات کے حوالے سے لکھا۔انھوں نے سماجی مسائل کے حوالے سے رکھی جانے والی رائے سے یہ غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ مرد اپنی طاقت اور رتبے کا بے دریغ استعمال کرتے ہوئے عورت کو اپنی تابع فرمان بنا کر نہیں رکھ سکتے۔انھوں نے پردے اور اس سے متعلق معاملات پر بھی قلم اٹھایا۔اپنے ایک مضمون میں یوں رقمطراز ہیں:

''.....اور اگر کسی کے رونے کی آواز چار دیواری سے کہیں باہر چلی جائے۔تو ہمارے بھائی صاحب کو آپے سے باہر نہیں ہو جانا چاہیے۔اگر گھر سے باہر ایسی آواز کا نکلنا موجب شرم اور بے عزتی ہے۔تو گھر کے اندر ایسے برتاؤ کا ہونا جس کا یہ نتیجہ ہے کونسی انسانیت اور شرافت کا تقاضا ہے؟ یہ اچھے گھر کے اندرونی معاملات ہیں۔جس کی پردہ پوشی گھر کی چار دیواری ہی کر سکتی ہے۔ورنہ جہاں ظاہر ہوئے عزت و شرافت میں بٹہ لگا.....''(۱۹)

صفورہ بیگم:

صفورہ بیگم نے اپنی معاصر خواتین کی طرح طبقہ اناث کی تعلیمی ترقی کے لیے کوشیں کی۔ ذہنی نشونما کے ساتھ ساتھ انھوں نے خواتین کی جسمانی صحت کے حوالے سے بھی اپنے افکار پیش کیے۔ ان کے مطابق خواتین کو اپنی صحت پر خصوصی توجہ دینی چاہیے جس کے لیے وہ ورزش اور دیگر آلات کا استعمال کریں تو مناسب رہے گا۔ یہ نہ صرف ان کی جسمانی صحت بل کہ فکری آبیاری میں بھی معاونت کرے گا کیونکہ صحت مند جسم ہی صحت مند دماغ کو غذا مہیا کرتا ہے۔ اور یوں خواتین کی گھر داری اور دیگر ذمہ داریاں بھی بطریق احسن سرانجام پاتی ہیں۔ انھوں نے خواتین کو ترغیب دی کہ وہ نجی معاملات میں الجھنے کی بجائے کسی مثبت سرگرمی میں خود کو ایسے مصروف کریں کہ ان کا ذہن پرسکون ہو جائے۔ اس ضمن میں ان کے افکار کی ترسیل ان الفاظ میں ہوتی ہے:

> ''میری بہنو! اب بھی ہوشیار ہو جاؤ۔ دیکھو۔ وقت تیزی سے ختم ہو رہا ہے۔ تم بھی کمر ہمت باندھو اٹھو اپنی اور اپنی ابنائے جنس کی بہتری کے لیے کوشش کرو۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے کہ تم تندرست ہو۔ اس لیے کوشش کر کے زنانہ کلب کھولو۔ اپنے گھر میں مناسب ورزش کے سامان مہیا رکھو۔ تا کہ فرصت کے وقت تم اور تمہاری بہنیں باہم کھیل اور تفریح طبع میں بھی کچھ وقت گزار سکیں۔ اگر ہم تندرست اور خوش وخرم ہوں گے تو ہمارا گھر جنت کا نمونہ ہوگا۔ ہم اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت میں اور قوم کی ترقی میں خاطر خواہ حصہ لے سکیں گے۔ ورنہ ایسی زندگی بیکار ہے جو رو رو کر بیماری میں گزار دی جائے۔''(۲۰)

بیگم آباد احمد خاں:

انھوں نے عورتوں کی اقتصادی آزادی کے حوالے سے اپنے نظریات کی پیشکش اپنے مضمون ''اقتصادی آزادی'' میں پیش کیے۔ انھوں نے ہندوستانی معاشرے کے اصول وضوابط کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات کی اہمیت پر زور دیا کہ خواتین کو جب تک اقتصادی طور پر آزادی نہیں دی جائے گی وہ محکوم ہی تصور کی جائیں گی۔

> ''..... جب تک عورت اقتصادی طور پر آزاد نہ ہو۔ وہ صحیح معنوں میں آزاد شمار کیے جانے کی مستحق نہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر اس کی ہر بلندی ریت کی دیوار کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو دوسروں کے سہارے پر کھڑی کی گئی ہو۔ اگر خدانخواستہ وہ سہارا کسی وجہ سے ہٹ جائے تو دیوار فوراً زمین پر بچھ جاتی ہے۔''(۲۱)

انھوں نے اس کے لیے تعلیم کو بہت ضروری قرار دیا ہے۔ تعلیم انسان کو ہر مشکل اور مصیبت سے نبرد آزما ہونے کا سلیقہ سکھاتی ہے۔ اقتصادی طور پر مظبوط ہونے کے لیے تعلیم کے ساتھ ساتھ ہنر کا ہونا بھی از حد ضروری ہے۔ خواتین کو چاہیے کہ وہ اپنے وسائل کے مطابق کسی نہ کسی ہنر میں مہارت ضرور حاصل کریں تا کہ وقت آنے پر پریشانی سے بچ سکیں۔

م۔ظ۔ا:

م۔ظ۔ انے اپنے مضامین میں ہندوستانی عورت کی سماجی حالت کو موضوع بنایا ہے۔ انھوں نے سماجی نظام اور

اس سے درپیش مسائل کا ذکر کرتے ہوئے یہ باور کروانے کی کوشش کی ہے کہ ہندوستانی عورت کی سب سے بڑی رکاوٹ معاشرہ ہے اور پھر وہ افراد ہیں جو حقوق نسواں کو محض اس لیے نظر انداز کر دیتے ہیں کہ کہیں شعور و آگہی کے بعد وہ ان کے پنجہ استبداد سے باہر نہ نکل جائیں۔ اور وہ سماجی ڈھانچا تحس نحس نہ ہو جائے جس کی تشکیل انھوں نے محض اس طبقے کو کمزور ثابت کرنے کے لیے کی تھی۔

م۔ظ۔ انے عورت کے ان حقوق کی بات کی جو اسلام نے اسے دے رکھے ہیں اور جن پر مذہبی اجارہ دار اور سماجی عہدہ داران ایسے مسلط ہیں کہ عورت کو اپنا واحد مقصد حیات مرد کی تفنن طبع، دلجوئی اور خدمت محسوس ہوتا ہے۔ اس سے علاوہ وہ کوئی قدم اٹھائے تو بری عورت کی مہر ثبت کر دی جاتی ہے۔ اپنے مضمون ''مظلوم فرقہ'' میں وہ یوں رقمطراز ہیں:

> ''کیا وجہ ہے کہ جو حقوق خدا نے اور اس کی شریعت نے عطا کیے ہیں۔ اس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے اور ان کے حاصل کرنے کی کوشش نہ کی جائے؟ اس قسم کے لوگوں کا شریعت پر عمل بھی کچھ اسی رنگ میں ہوتا ہے، جس میں عورتوں پر ہی ظلم ٹوٹے۔ بیوی میں ذرا سا نقص ہوگا تو جھٹ بہانہ بنا کر دوسری بیوی کرنے کو تیار ہو جائیں گے اور اسے اف کرنے کی اجازت بھی نہ ہوگی۔ پردے کی پابندی دیکھیے کہ بیوی کا برقعہ بھی کوئی دیکھنے نہ پائے خواہ آپ غیر عورتوں کو جھانکتے پھریں۔ یہ ہے اکثر بیویوں کی حالت اور مردوں کا انصاف.....'' **(۲۲)**

اپنے مضامین کے ذریعے انھوں نے ان عورتوں کو یہ تنبیہ بھی کی ہے کہ اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کریں اور مذہب کے حوالے سے معلومات حاصل کریں تاکہ اپنی زندگی بہتر طور پر گزار سکیں۔

مندرجہ بالا کے علاوہ نذر سجاد حیدر، رشید جہاں بیگم، صغرا ہمایوں مرزا، س۔ الف۔، ہمشیرہ احمد مبین، بی۔ جے بیگم، سلطانہ بیگم، آنسہ نور النسا، ت۔ ن للّی راج، مسز حامد علی، مسز ملک، فاطمہ بنت کے محمد حسین، ستارہ جبیں بنت ا۔ ع۔ خ، ب۔ ز۔ ب، الف۔ ف، مسز داؤد الرحمٰن، تاج النسا بیگم، امینہ خاتون و فاطمہ خاتون، امت الوحی، ظفر جہاں بیگم، رضویہ خاتون، وحیدہ بیگم، فاطمہ محمد حسین، آصف جہاں بیگم، ن۔ ب، م۔ ب۔ ش، دختر عبدالودود، برجیس دلحسن، ش۔ ب، ایس آر کرمانیہ، آنسہ تنویر فاطمہ، ح۔ ب اور آذری بیگم کے علاوہ متعدد خواتین تعلیم و تہذیب نسواں کے حوالے سے اپنے افکار کی پیش کش کی۔ ان مصنفین نے اپنے مضامین کے ذریعے خواتین کو فرسودہ رسوم و رواج سے نکالنے کی کوشش کی۔ وہ چاہتی تھیں کہ ہندوستانی خواتین فرسودہ رسوم و رواج کی جکڑ بندیوں سے آزاد ہو کر اپنے لیے ایک ایسا لائحہ عمل تشکیل دیں جو انھیں ذہنی طور پر پختہ کریں بجائے اس کے کہ وہ جدید علوم و فنون سے متعارف ہو کر اپنی زندگیوں کو بہتر ڈگر پر لا سکیں وہ انہی رسوم کی زنجیروں میں جکڑی نظر آتی ہیں۔ اس کے لیے انھوں نے نا صرف خواتین بلکہ سماجی صورتحال کو بھی ان روایات سے نکل کر علم و عقل کو برائے کار لاتے ہوئے زندگی کو بہتر بنانے کا درس دیا۔ وہ سماجی دائرہ کار میں رہتے ہوئے خواتین کی ذہنی آزادی چاہتی تھی جس سے وہ آزادانہ اپنی من مرضی کر کے اپنی زندگی کو بہتر طور پر گزار سکیں۔

حوالہ جات

۱۔ زاہدہ حنا۔عورت زندگی کا زندان،(کراچی:شہزاد،۲۰۰۴ء)،ص۱۵۹

۲۔ نسیم آرا،اردو صحافت کے ارتقا میں خواتین کا حصہ،(کراچی:انجمن ترقی اردو پاکستان،۲۰۰۸ء)،ص۸۷

۳۔ محولہ بینا رشید،تہذیب النسواں،(لاہور:۲۵/اگست۱۹۰۰ء)،ص۲۶۹

۴۔ تہمینہ عباس،محمدی بیگم:اردو کی پہلی خاتون مدیرہ،مشمولہ:ایك روزن،۱۶/مارچ۲۰۱۷ء

۵۔ محمدی بیگم،رسم ورواج کی پابندی،مشمولہ: تہذیب النسواں،(لاہور:۱۴/جولائی۱۹۲۸ء)،شمارہ۲۸،ص۶۸۶۔۶۸۷

۶۔ محمدی بیگم،خاکساری،مشمولہ: تہذیب النسواں،(لاہور:۲۸/جولائی۱۹۲۸ء)،جلد۳۱،نمبر۳۰،ص۲۲۷

۷۔ و۔ا۔مروجہ تعلیم نسواں،مشمولہ: تہذیب النسواں،(لاہور:۱۴/مارچ۱۹۲۵ء)،جلد۲۸،نمبر۱۱،ص۱۶۹۔۱۷۰

۸۔ حجاب اسماعیل،عورت کی سوانح عمری،مشمولہ: تہذیب النسواں،(لاہور،۴/مارچ۱۹۳۳ء)،جلد۳۶،نمبر۹،ص۲۰۰

۹۔ خدیجۃ الکبریٰ،مروجہ تعلیم کی مخالفت میں،مشمولہ: تہذیب النسواں،(لاہور:۱۷/جنوری۱۹۲۵ء)،جلد۲۸،نمبر۳،ص۳۵

۱۰۔ ظفر جہاں،ایک اہم سوشل اصلاح،مشمولہ: تہذیب النسواں،(لاہور:۲۴/اگست۱۹۲۹ء)،جلد۳۲،نمبر۳۴،ص۸۲۹

۱۱۔ ظفر جہاں،قومی ضروریات کا احساس،مشمولہ: تہذیب النسواں،(لاہور:۴/اگست۱۹۲۸ء)،جلد۳۱،نمبر۳۱،ص۷۴۴۔۷۴۵

۱۲۔ اہلیہ سید احمد سبزواری،دیہاتی عورت،مشمولہ: تہذیب النسواں،جلد۳۶،نمبر۱،(لاہور:۷/جنوری۱۹۳۳ء)،ص۱۸

۱۳۔ امۃ الحمید خانم،پیغام عمل مسلم خواتین،مشمولہ: تہذیب النسواں،(لاہور:۱۵/جولائی۱۹۳۹ء)،جلد۴۳،ص۷۰۱۔۷۰۴

۱۴۔ م۔ج،عورتوں کی موجودہ تعلیم،مشمولہ: تہذیب النسواں،(لاہور:۱۴/جنوری۱۹۳۳ء)،جلد۳۶،نمبر۲،ص۳۷

۱۵۔ جمیلہ بیگم،تہذیب نسواں،(لاہور:۱۹/جولائی۱۹۴۱ء)،،جلد۴۴،نمبر۲۸،ص۶۷۰

۱۶۔ جمیلہ بیگم،خاموشی،مشمولہ: تہذیب النسواں،(لاہور:۲۱/اکتوبر۱۹۳۳ء)،جلد۳۶،نمبر۴۲،ص۱۰۱۸

۱۷۔ جہاں حبیبہ بیگم،کھلاسر،مشمولہ: تہذیب النسواں،(لاہور:۱۵/ستمبر۱۹۲۳ء)،جلد۲۶،ص۵۹۲

۱۸۔ آصفہ خاتون،تعلیم کیوں چھوڑیں،مشمولہ:تہذیب النسواں،(لاہور:۱۰/مارچ۱۹۲۳ء)،جلد۲۶،ص۱۵۷

۱۹۔ صدیقہ خاتون،جواب الجواب پر ایک نظر،مشمولہ:تہذیب النسواں،(لاہور:۲۷/جنوری۱۹۲۳ء)،جلد۲۶،ص۵۰

۲۰۔ صفورہ بیگم،ورزش اور تفریح،مشمولہ:تہذیب النسواں،جلد۳۱،نمبر۲۳،(لاہور:۹/جون۱۹۲۸ء)،ص۵۵۲

۲۱۔ بیگم آباد احمد خاں،اقتصای آزادی،مشمولہ:تہذیب النسواں،جلد۴۶،(لاہور:۲۶/جون۱۹۴۳ء)،ص۴۰۶۔۴۰۹

۲۲۔ م۔ظ۔ا،مظلوم فرقہ،مشمولہ: تہذیب النسواں،(لاہور:۲۱/جنوری۱۹۲۸ء)،جلد۳۱،نمبر۳،ص۶۵